تجدید دین-مفہوم،ضرورت اور حدُود

اختر حسین عزمی*

جب ہم اسلام کے دین فطرت اور شریعت کے دائمی و ہمہ گیر ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں،تو اس کا واضح مطلب یہ ہوتا ہے کہ دین وشریعت اسلامی میں ہر زمانے کے فطری تقاضوں کو پورا کرنے اور ہر ماحول کی طبعی ضرورتوں اور مسائل کا حل کرنے اور انکے قالب میں روح شریعت کو جاری وساری کرنے کی صلاحیت موجود ہے۔اسلام کو دین کامل کہنے کا ہرگز یہ منشا نہیں ہوتا کہ **اَلیوم اکملت لکم دینکم** کے الفاظ کے نزول کے ساتھ انسانی معاشرہ اسی حالت میں جامد ہوکر رہ گیا۔تمدنی ترقیات،علمی تحقیقات، مادی تجربات، سائنسی ایجادات اوران کے نتیجے میں پیدا ہونے والی معاشی ومعاشرتی ضروریات کی وجہ سے ہر دور اور ماحول میں تغیر

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

صرف اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ حق دیا ہے اور وہ بھی صرف اس صورت میں جب ان کا حکم اللہ اور اس کے رسولؐ کی مقرر کردہ حدود کے مطابق ہو۔ اگر ان میں سے کوئی شخص اللہ کا حکم پیش کرے تو ہر انسان پر واجب ہے کہ وہ اس کے آگے سر جھکادے۔ اور اسے اس معاملے میں چوں و چرا کرنے کا ہرگز کوئی حق نہیں۔ اس کو اپنے خالق کے معاملے میں حریت فکر اور آزادی رائے حاصل نہیں۔ جن ہستیوں کی اطاعت اللہ کی طرف سے فرض قرار دی گئی ہے ان میں سے اگر کوئی شخص اللہ کے حکم کی بجائے اپنا خیال پیش کرے اوراپنی رائے کے مطابق کچھ حکم دے تو اس کی اطاعت فرض نہیں۔ ایسی صورت میں ہر شخص کو خود سوچنے' رائے قائم کرنے اور اس کا اظہار کرنے کا حق حاصل ہے۔ وہ مکمل آزادی کے ساتھ اتفاق یا اختلاف کرنے کا حق رکھتا ہے۔ اس معاملہ میں عام انسان' علماء اور حکام تو درکنار' خود نبیؐ کی ذاتی رائے سے بھی اختلاف کرنے میں کوئی امر مانع نہیں ہے۔ حضرت زیدؓ اور حضرت زینبؓ کے معاملے میں بھی آزادی رائے کا حق استعمال کیا گیا۔ کیونکہ نبی کریمؐ کی طرف سے حضرت زیدؓ کو جو طلاق نہ دینے کے لیے ارشاد فرمایا گیا وہ حکم الٰہی کی طور پر نہ تھا بلکہ وہ ایک عزیز' ہمدرد اور مربی ہونے کے ناطے مشورہ تھا۔ مگر جس اختلاف مزاج کی بنا پر زوجین میں باہم نفرت پیدا ہوگئی تھی اس کو حضرت زیدؓ خود زیادہ محسوس کرتے تھے یہ معاملہ ان کے دین و ایمان کا نہیں بلکہ ان کے دلی جذبات و احساسات کا تھا۔ اس لیے انہوں نے حضورؐ کے مشورے کو قبول نہ کیا اور آزادی رائے کا حق استعمال کرتے ہوئے طلاق دے دی۔ یہ اللہ کے حکم کی خلاف ورزی نہ تھی اور نہ ہی نبی اکرمؐ کی بحیثیت رسولؐ نافرمانی تھی۔ اس لیے نہ آپؐ ناراض ہوئے اور نہ اللہ تعالیٰ ناراض ہوا۔ اگر آپؐ ناراضگی کا اظہار کرتے تو اس کا مطلب یہ ہوتا کہ انسان نے انسان کی غلامی سے اسلام میں آجانے کے باوجود نجات حاصل نہیں کی۔ مگر آپؐ اللہ کے رسولؐ تھے۔ جن کی بعثت کا مقصد ہی بندوں کو بندوں کی بندگی سے نکال کر ایک اللہ کی بندگی کی طرف لانا تھا تاکہ انسان کو انسان کے مقابلے میں آزادی کا کھویا ہوا حق واپس دلوائیں۔ اس لیے آپؐ نے حکم نہیں بلکہ مشورہ دیا اور اس مشورے کے خلاف عمل کرنے پر قطعاً" کسی ناراضگی کا اظہار نہیں فرمایا۔ معلوم ہوا کہ اسلامی نقطہ نظر سے انسان بحیثیت انسان دنیا میں کسی کا غلام نہیں اور دوسرے انسانوں کی طرف سے اس پر کوئی پابندی یا قدغن نہیں لگائی جاسکتی۔ وہ اپنے عمل' قول' فکر اور سوچ میں آزاد ہے۔ لیکن اللہ کے دیئے ہوئے احکامات اور اللہ کی طرف سے عائد شدہ پابندیوں سے فرار ممکن نہیں۔ یعنی انسان اپنی حیثیت میں مکمل آزاد ہونے کے باوجود خالق و مالک کے احکامات کا پابند ہے۔ خالق کی طرف سے مقرر کردہ حدود و قیود کے اندر رہتے ہوئے یہ اپنی آزادی اور حریت

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

سے بہرہ مند ہوسکتا ہے۔ اعتراض کیا جاسکتا ہے کہ اس طرح تو اللہ تعالیٰ نے انسانی عقل و روح کی آزادی سلب کرلی ہے حالانکہ اسلام کا دعویٰ ہے کہ اللہ نے انسان کو عقل و فکر اور جسم و جان کی آزادی عطا فرمائی ہے ---- اس سلسلے میں پہلی حقیقت تو یہ ہے کہ ہر انسان کو اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود کا پابند نہیں بنایا گیا۔ اگر کوئی شخص اپنے آپ کو ان حدود (دین اسلام) سے دور رکھتے ہوئے (غیر مذہب میں یا لامذہب میں) آزاد رہنا چاہے تو اسلام ایسے شخص پر کوئی جبری قانون لاگو نہیں کرتا۔ ایسا شخص اللہ کے حقوق اور اس کی عائد کردہ پابندیوں سے بے نیاز ہوکر بھرپور "آزادی" سے لطف اندوز تو ہوسکتا ہے لیکن اس مادر پدر آزادی کے نتائج و عواقب کا پھر یہ خود ذمہ دار ہوگا ---- اور اگر کوئی شخص اپنے آپ کو اللہ کی حدود (یعنی دین اسلام) کے اندر داخل کردے تو پھر بھی حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے دیئے ہوئے قوانین اور مقرر کردہ حدود و قیود انسان کی فطری آزادی سلب کرنے کے لیے نہیں بلکہ اس آزادی کی حفاظت کے لیے ہیں تاکہ انسان بے راہروی کا شکار ہوکر اپنے اصل مقصد اور راستے سے کہیں دور نہ نکل جائے۔ اصل میں انسان اپنی فطری کمزوری کے باعث اپنے معاملات زندگی میں حقیقت کے تمام پہلوؤں کا احاطہ نہیں کرپاتا۔ زندگی کے اہم فیصلے کرتے وقت اس کی عقل عموماً کسی ایک پہلو کا ادراک کرپاتی ہے۔ جذبات اور خواہشات کا غلبہ اس کی نظر میں وسعت پیدا نہیں ہونے دیتا۔ اگر بالفرض کامیابی اور ناکامی کی تمام راہیں کھول کر اس کے سامنے رکھ دی جائیں تو بھی انسانی عقل و فہم فطری طور پر اس قابل نہیں کہ وہ کامیابی اور ناکامی کی راہوں کا بالکل صحیح تعین کرسکے۔ انسان کی حقیقی فلاح کے راستے کو خالق حقیقی ہی جانتا ہے۔ لہٰذا وہ اس کے فائدہ اور نقصان کو مدنظر رکھتے ہوئے ایسی حدود مقرر کردیتا ہے جو انسانیت کے لیے مفید راستے کی طرف راہنمائی بھی کرتی ہیں اور حریت فکر و عمل کی حفاظت بھی۔ ان حدود کی حیثیت سڑک کے کنارے ایسی رکاوٹوں کی سی ہے جو سڑک کے گرد لگانے کا مطلب اور مقصد محض یہ ہوتا ہے کہ مسافر غلطی سے گہری کھائی کی طرف نہ چلا جائے بلکہ بخیر و عافیت اور سلامتی کے ساتھ اپنی منزل مقصود پر پہنچ جائے۔ اللہ کے قانون میں انسانوں پر لگائی گئی حدود انسان کے لیے زندگی کے سفر کا صحیح رخ متعین کرتی ہیں اور زندگی کے ہر پر پیچ مقام، ہر موڑ اور ہر دوراہے پر اسے بتاتی ہیں کہ سلامتی کا راستہ اس طرف ہے۔ انسانی آزادی کے تحفظ کے لیے ان حدود کے تعین کے بعد اگر کوئی شخص ان پابندیوں کو توڑ کر اپنی مرضی کے راستے پر چلنا چاہے تو اسلام اس کے (دنیوی و اخروی) نتائج و عواقب کی ذمہ داری اس پر ڈالتے ہوئے اس بات کی اجازت دیتا ہے۔ قرآن میں ہے:

انا ھدینہ السبیل اما شاکرا واما کفورا (۲۸)

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

گو یہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لیے چند حدود و قیود مقرر کرکے انسانیت پر بہت بڑا احسان فرمایا ہے یہی وہ ضابطہ ہے جس کے تحت ایک انسان انسانیت کی معراج تک پہنچ سکتا ہے۔ خالصتاً" انسان کی فلاح دارین کے لیے متعین کیے گئے ان الٰہی اصولوں کا نام "حدود اللہ" ہے۔ ان حدود سے تجاوز کرنے کا لازمی نتیجہ تباہی و بربادی اور دونوں جہاں کی رسوائی کے سوا کچھ نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے کہا: تلک حدود اللہ فلا تقربوھا (۲۹)

سید مودودیؒ تحریر کرتے ہیں کہ -- "اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے وہ قیود عائد کی ہیں جن کو اسلام کی اصطلاح میں "حدود اللہ" (Divine Limits) کہا جاتا ہے۔ یہ حدود زندگی کے ہر شعبہ میں چند اصول' چند ضوابط اور چند قطعی احکام پر مشتمل ہیں۔ جو اس شعبہ کے اعتدال و توازن کو برقرار رکھنے کے لیے لگائی گئی ہیں۔ ان کا منشاء یہ ہے کہ یہ تمہاری آزادی کی آخری حدیں ہیں۔ ان کے اندر رہ کر تم اپنے برتاؤ کے لیے ضمنی اور فروعی ضوابط (Regulaions) بناسکتے ہو۔ مگر ان حدود سے تجاوز کرنے کی تمہیں اجازت نہیں ہے۔ ان سے تجاوز کرو گے تو تمہاری اپنی زندگی کا نظام فاسد و مختل ہوجائے گا۔"(۳۰)

فکر و عمل کی یہ حدود ہی اصل میں حقیقی آزادی کا محفوظ نقشہ انسان کے لیے پیش کرتی ہیں کیونکہ حقیقی آزادی وہ ہی ہوتی ہے جس میں فکر و عمل کی آزادی کے ساتھ ساتھ تحفظ کا احساس بھی نمایاں ہو۔ ایسا تصور آزادی بالکل بے کار اور ناقص ہے جو فکر و عمل کی مکمل آزادی تو فراہم کرے لیکن اس آزادی میں حفاظت کا ذمہ اپنے سر نہ لے۔ مولانا حفظ الرحمان سیوہاروی رقم طراز ہیں :-

"انسان اپنی فکر کو یوں ہی نہ چھوڑے کہ جس وادی اور جس میدان میں چاہے آوارہ گردی کرے کیونکہ فکر انسانی اگر برائیوں اور بدیوں کے گرد و پیش چکر لگاتی رہے گی تو وہ ایک دن ان میں ضرور گرفتار ہوجائے گی۔"(۳۱) ایک اور مقام پر لکھتے ہیں کہ "ضبط نفس سے صحت کی حفاظت اور عقل کو طمانیت نصیب ہوتی ہے اور نتیجہ میں انسان سعادت و آزادی سے شاد کام ہوجاتا ہے۔"(۳۲)

الغرض اسلام کی عطا کردہ آزادی فکر و عمل بے لگام اور مادر پدر آزادی نہیں بلکہ مقید اور مشروط آزادی ہے جن سے بعض شرائط اور حدود و قیود کے دائرے کے اندر رہ کر ہی بہرہ مند ہوا جاسکتا ہے۔ اس آزادی کو جن شرائط سے مشروط کیا گیا ہے ان میں پہلی شرط وہی عام شرط ہے جو اسلامی معاشرے میں ہر حق کے ساتھ لگی ہوئی ہے اور یہ ہے نیت کی پاکیزگی اور خلوص کی شرط۔ کیونکہ اس حق کے استعمال کی غرض و غایت خداوند کریم کی رضا و خوشنودی کا حصول ہے اور اس

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

کا مدعا اور منشا پورے معاشرہ کو فائدہ پہنچانا ہے۔ دوسری شرط' جو دراصل پہلی شرط کے نتیجے میں سامنے آتی ہے' یہ ہے کہ آزادی رائے کا مطلب اپنی ذات کی نمائش اور تکبر کا اظہار نہیں اور نہ ہی دوسروں کے عیوب گننے اور ان کی تشہیر کا نام ہے اور نہ ہی مال و زر اور عہدے کا حصول مطمع نظر ہونا چاہیے۔ تیسری شرط جس کے ساتھ آزادی رائے کا حق مشروط ہے اسلامی اصولوں اور عقائد کا احترام ہے۔ اسلام کسی شخص کو آزادی رائے کی آڑ میں اسلام' اللہ کے رسول' یا اسلامی نظریے کے بارے میں زبان درازی کی اجازت نہیں دیتا۔ اگر کوئی مسلمان اس کا مرتکب ہو تو وہ مرتد ہے اور شریعت کی نظر میں سزا کا مستحق ہے چنانچہ وہ آزادی رائے کی دلیل پیش کرکے سزا سے نہیں بچ سکتا۔ چوتھی شرط یہ ہے کہ فرد اسلامی اخلاقیات کی حدود کے اندر رہ کر بات کرے۔ چنانچہ اسلام کسی انسان کو دوسروں کی آبرو سے کھیلنے یا انہیں دشنام طرازی کا تختہ مشق بنانے کی اجازت دینے کا روادار نہیں۔ آزادی رائے کے نام پر وہ دوسروں پر کیچڑ اچھالنے کے بھی خلاف ہے کیونکہ جب رائے کی آزادی معاشرے کو نقصان پہنچانے یا فساد پھیلانے کا موجب بن جائے تو وہاں پر اس کی سرحدیں ختم ہوجاتی ہیں۔[۳۳]

جن شرائط کا اوپر ذکر ڈاکٹر عبدالکریم زیدان نے کیا ہے ان شرائط سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ اسلام نے پابندی لگائی ہے کہ دائرہ اسلام کے اندر رہ کر ہی آزادی فکر و عمل کا حق استعمال کیا جاسکتا ہے۔ اسلام والی شرط تو ہر اس آدمی کے لیے ہے جو اسلام قبول کرکے اپنے آپ کو مسلمان کہلواتا ہے۔ وگرنہ اسلام قبول کرنے اور نہ کرنے کا اختیار اور آزادی مذہب تو اسلام کا بنیادی خاصہ ہے۔ دارالاسلام یعنی اسلامی حکومت کے اندر رہتے ہوئے بھی انسان کسی اور مذہب کا پیروکار بن کر رہ سکتا ہے۔ اسلام اسے مذہب کی صرف مکمل آزادی ہی نہیں دیتا بلکہ اس کے اس حق آزادی کی حفاظت کی ضمانت بھی دیتا ہے دین کے معاملے میں اسلام کسی انسان پر کوئی پابندی اور قدغن نہیں لگاتا اور اسے کوئی خاص مذہب اختیار کرنے پر مجبور بھی نہیں کرتا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لا اکراہ فی الدین[۳۴] دین (اسلام) کے اندر کوئی جبر نہیں ہے

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

حوالہ جات

۱۔ القرآن، (بنی اسرائیل) ۱۷: ۳۶

۲۔ مسلم بن الحجاج، الجامع الصحیح، دارالفکر بیروت، س۔ن، کتاب الایمان، باب الحث علی اکرام الجار...الخ، ج ۱، ص ۴۹

۳۔ القرآن، (الحجرات) ۴۹: ۶

۴۔ مودودی، ابوالاعلیٰ سید، تنقیحات، اسلامک پبلیکیشنز لاہور، ۱۹۹۱ء، ص ۲۳۶

۵۔ القرآن (الاحزاب) ۳۳: ۳۶

۶۔ القرآن (البقرہ) ۲: ۸۵

۷۔ القرآن (المائدہ) ۵: ۴۸

۸۔ ایضاً (المائدہ) ۵: ۴۴، ۴۵، ۴۷

۹۔ ایضاً (المائدہ) ۵: ۵۰

۱۰۔ افضل الرحمان، شخصی آزادی (مترجم ایوب منیر)، فیروز سنز لاہور، ۱۹۹۳ء، ص ۸۵

۱۱۔ تنقیحات، ص ۱۳۵۔۱۳۸

۱۲۔ ایضاً، ص ۲۲۵۔۲۲۶

۱۳۔ اقبال، علامہ محمد، کلیات اقبال اردو، الفیصل ناشران کتب لاہور، ۱۹۹۵ء، ص ۳۰۳

۱۴۔ صلاح الدین، بنیادی حقوق، ادارہ ترجمان القرآن لاہور، ۱۹۷۸ء، ص ۱۳۲، ۱۳۳

۱۵۔ القرآن، (یونس) ۱۰: ۱۵

۱۶۔ القرآن، (الاحزاب) ۳۳: ۳۷

۱۷۔ محولہ بالا

۱۸۔ القرآن (الانعام) ۶: ۵۷

۱۹۔ القرآن (المائدہ) ۵: ۱

۲۰۔ القرآن (النور) ۲۴: ۵۴

۲۱۔ القرآن (النساء) ۴: ۸۰

۲۲۔ القرآن (آل عمران) ۳: ۷۹

۲۳۔ القرآن (الاعراف) ۷: ۱۵۷

۲۴۔ القرآن (النساء) ۴: ۱۰۵

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

۲۵۔ القرآن (آل عمران) ۳ : ۳۱
۲۶۔ القرآن (الانعام) ۶ : ۵۰
۲۷۔ احمد بن حنبل، مسند احمد، داراحیاء التراث العربی بیروت، ۱۹۹۱ء، ج ۶، ص ۵۹
۲۸۔ القرآن (الدھر) ۷۶ : ۳
۲۹۔ القرآن (البقرہ) ۲ : ۱۸۷
۳۰۔ مودودی، ابوالاعلیٰ سید، اسلامی ریاست، اسلامک پبلیکیشنز لاہور، ۱۹۹۲ء، ص ۱۳۲
۳۱۔ حفظ الرحمان سیوہاروی، اخلاق اور فلسفہ اخلاق، دھلی ۱۹۵۰ء، ص ۴۲۰
۳۲۔ ایضاً، ص ۴۲۱
۳۳۔ عبدالکریم زیدان، اسلام میں ریاست اور فرد کا مقام، اسلامک بک پبلشرز، لاہور، ص ۱۱۷
۳۴۔ القرآن (البقرہ) ۲ : ۲۵۶

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com